© rasailojaraid.com

اداریہ

مذہب کے نام پر تشدد اور سیاسی مقاصد

مختلف مذہبی یا سیاسی جماعتوں کا روحانی یا دنیوی اقتدار کے لیے برسرِ پیکار رہنا کوئی نئی بات نہیں۔ عہدِ جدید کی تاریخ میں بیسیوں مثالیں موجود ہیں، جہاں انسانی 'انا' نے مذہب یا سیاست کے پردے میں اپنے معاشروں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن عہدِ جدید نے پروپیگنڈے کے فن کو اس قدر ترقی دی ہے کہ انسان کے لیے سچ اور جھوٹ، خیر اور شر اور نیکی اور بدی میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اسے پتہ نہیں چلتا کہ کونسی راہ 'کعبہ' کو جاتی ہے اور کونسی 'ترکستان' کو۔ چنانچہ آج اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انتہاپسندی یا دہشت گردی کے نام پر مغرب میں جس زور و شور سے پروپیگنڈا ہو رہا ہے، اس پر دنیا کے اہلِ نظر پکار اُٹھے ہیں: خدایا! جھوٹ کی اس سیاہ رات کا پردہ کب چاک ہوگا؟

'المعارف' نے اپنے چند اداریوں میں 'اسلام اور امن و آشتی' کے موضوع پر حقیقت بیان کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ اب کوالالمپور میں غیر جانبدار افریشیائی ملکوں کی کانفرنس میں ملیشیا کے وزیرِاعظم ڈاکٹر مہاضیر محمد نے وقت کے اس انتہائی اہم موضوع پر تقریر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ 'اسلام اور دہشت گردی' کی اصل حقیقت کیا ہے؟ دہشت گردی سے نپٹنے کے لیے کس راہ پر چلنا ضروری ہے؟ ڈاکٹر مہاضیر محمد ایک مسلم ملک کے پہلے وزیرِاعظم ہیں، جنھوں نے تاریخی حقائق کی روشنی میں بتایا ہے کہ دہشت گردی کا مجرم کون ہے؟ ملیشیا کے وزیرِاعظم نے جس سٹیج پر کھڑے ہو کر یہ تاریخی بیان دیا ہے، اسی سٹیج پر کھڑے ہو کر مرحوم جمال عبدالناصر نے مغربی سامراج کے خلاف آواز اُٹھائی تھی، جس پر مصر ۱۹۵۶ء میں اسرائیل اور اینگلو فرنچ جارحیت کا نشانہ بنا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم یہاں اس تقریر کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں: ''آج پوری دنیا خلفشار کا شکار ہے۔ یہ صورتِ حال اس صورتِ حال سے کہیں بدتر ہے، جب مشرق اور مغرب کے درمیان سرد جنگ جاری تھی۔

افسوس! کہ سرد جنگ کے خاتمے سے جو امیدیں وابستہ تھیں، وہ سب ہمارا ساتھ چھوڑ گئیں۔ ان کی جگہ دہشت گردی نے لے لی، جس نے آج ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ آج ہمیں اپنے آپ سے یہ پوچھنا ہوگا کہ اب دہشت گردی کیوں ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ مسلمان پیدائشی طور پر دہشت پسند ہیں[1]؟... جیسا کہ دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ ہمیں یہ بتانا ہوگا کہ آخر سپین میں تحقیق کے نام پر 'احتسابی عدالتوں' (The Inquisition) نے جو کچھ کیا وہ کیا تھا؟ دوسری جنگِ عالمگیر میں یہودیوں کو جو اجتماعی طور پر قتل (Holocaust) کیا گیا، وہ کیا تھا؟ تقریباً ۲ ہزار تک مسیحی یورپ کا یہی امتیازی نشان رہا ہے۔

اس پورے سیاہ دور میں جب کبھی یہودی ظلم کا نشانہ بنے، انہوں نے مسیحی یورپ سے بھاگ کر مسلم دنیا میں کیوں پناہ لی؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ مسیحی اپنے ہی مسیحی بھائیوں کے ظلم و ستم کا شکار بنے۔ یہ باتیں یہاں اس لیے بیان کی جا رہی ہیں کہ آخر مسلمانوں ہی کو موجودہ مشکلات کا سبب کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ ہنگامہ کیا تہذیبوں کا تصادم ہے؟ یا مسلم تہذیب اور یہودی- مسیحی (Judea-Christian) تہذیب کا ٹکراؤ؟

میں سمجھتا ہوں کہ اس خونی تصادم کی وجہ، یورپ کا احساسِ برتری (دوسروں پر غلبہ حاصل کرنا) ہے جو دوسرے لسانی اور نسلی گروہوں پر تسلط چاہتا ہے۔ اگر ہم پرانی تاریخ کی طرف ذرا پلٹ جائیں تو نظر آتا ہے کہ یورپ کے باہر منظم دہشت گردی فلسطین میں یہودی ریاست کی تخلیق سے پہلے نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ فلسطین کی سرزمین پر یہودی ریاست کا قیام

---

1. اسی موضوع پر وزیراعظم (ڈاکٹر مہاتیر محمد) نے ۴ر فروری کو نیویارک میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ''اگر شمالی آئرلینڈ، سری لنکا، سربیہ (سابق یوگوسلاویہ) میں دہشت گردی ہوتی ہے تو کوئی (یعنی مغربی صحافت) انہیں نصرانی یا مسیحی دہشت گردی کے نام سے نہیں پکارتا، لیکن اگر یہ حرکت کسی مسلمان سے سرزد ہو جائے تو پھر ''دہشت گرد'' کے ساتھ لفظ ''مسلم'' لگا دیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دراصل دہشت گردی کا کارنامہ ہے۔ دہشت گردی کے ہتھیار کو ھیگنا (Haganah) اور ارگن زومی (Irgan Zaviuleumi)، صیہونی تحریکوں نے فلسطین میں برطانوی انتداب کے خلاف استعمال کیا اور اہلِ فلسطین کو بڑی بے رحمی سے ان کے آبائی گھروں سے نکال باہر کر کے اُن کی سرزمین پر قبضہ کرلیا۔ یہ عرب مہاجرین ادھر پچاس سال سے مہاجر کیمپوں میں جی رہے ہیں۔

اپنی سرزمین کو واپس لینے کے لیے پہلے عام روایتی جنگ ہوئی، جو ناکام رہی۔ بعد میں سول نافرمانی کی تحریک اُٹھی۔ اسرائیل نے یورپ سے مدد مانگی کہ وہ (یورپ) یہودیوں کے خلاف اپنے 'گناہوں کے کفارہ' میں اس کڑے وقت میں اسرائیل کی مدد کرے۔ چنانچہ اسرائیل کی حمایت میں یورپ اور امریکہ کے رویے سے تنگ آ کر اہلِ فلسطین نے طاقت کا سہارا لیا، جسے آج ''دہشت گردی'' کا نام دیا جارہا ہے۔ بے شبہ دنیا نے اس عمل کو ناپسند کیا۔ لیکن تاریخ کی یہ ستم ظریفی بھی دیدنی ہے کہ ۱۹۸۲ء میں لبنان میں صابرہ اور شتیلہ کے مہاجر کیمپوں میں اسرائیل نے ہزاروں فلسطینی مہاجروں کو قتل کیا۔ لیکن دنیا خاموش رہی!

آج فلسطین میں اہلِ فلسطین کے مکانات کو مسمار کیا جارہا ہے۔ بوڑھے، بچے اور جوان قتل ہو رہے ہیں، ٹینکوں اور فوجی جہازوں سے اُن پر گولیوں کی بارش برسائی جارہی ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ ایٹمی ہتھیاروں کو استعمال کرنے کی دھمکی بھی دی جاتی ہے۔ مدارس، ہسپتال بند، معیشت تباہ۔ پوری فلسطینی قوم خیمۂ افلاک کے نیچے سر برہنہ کھڑی ہے۔

اس سارے ہنگامۂ کشت وخون میں مغرب، خاص طور پر امریکہ خاموش ہے۔ نہ صرف خاموش! بلکہ اس نے اسرائیل کے وزیراعظم کو (شیرون) 'امن کا ہیرو' قرار دے دیا ہے۔ رع: 'بدیں عقل و دانش بباید گریست'۔ یہی دوہرا معیار اور طرزِ عمل ہے، جس سے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اگر عراق کا رشتہ 'القاعدہ' سے جوڑا جاسکتا ہے تو کیا فلسطینی سرزمین پر ناجائز تسلط اور اہلِ فلسطین پر جور وستم کے رشتوں کو منطقی طور پر ۱۱رستمبر کے حادثہ سے جوڑا نہیں جاسکتا؟ صحیح بات یہ ہے کہ اختلافِ مذہب کی بنا پر نیویارک میں عالمی تجارتی سینٹر مسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غم و غصے کا نشانہ نہیں بنا۔ بلکہ فلسطینی سرزمین پر غاصبانہ قبضہ، اہلِ فلسطین کی مظلومیت اور ان سے برابر ناانصافی نے مسلم عوام میں ہمدردی کے جذبات پیدا کیے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ انسانی وجود مقدس ہے، دشمن ہو یا دوست۔ اس لیے اس مسئلہ کا حل جنگ نہیں ہے۔ چنانچہ یہ سوال کہ کون حق پر ہے اور کون نہیں؟ اس کا فیصلہ اس بات سے نہیں ہوگا کہ کون میدانِ جنگ میں جیتا ہے اور کون ہارا۔ اس کے برعکس ایک قوم کی بڑائی کا پیمانہ ثقافت، بلند اخلاقی قدریں، جمالیات، تعلیم، سائنسی ترقی ہے۔ افسوس! کہ ہم پتھر کے زمانے (Stone Age) سے ہزاروں سال بعد بھی ایک قوم کی بڑائی کا پیمانہ یہ قرار دے رہے ہیں کہ اس میں انسانی بستیوں کو ویران اور تہ و بالا کرنے کی صلاحیت کس حد تک پائی جاتی ہے؟

یاد رہے کہ آج ناانصافی اور ظلم وستم کا دائرہ جنگ تک ہی محدود نہیں، بلکہ نظریاتی پروپیگنڈا (Idealogical Propaganda) میں بھی زیادتی کا عنصر شامل ہے۔ آج ہمیں 'جمہوری طرزِ حکومت' کے سوا دوسرا نظریہ رکھنے کی اجازت نہیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ یہ طرزِ حکومت بڑی حد تک بہتر ہے۔ لیکن دوسرے معاشروں پر جہاں یہ طرزِ حکومت نہیں، پابندیاں لگانا، لوگوں کو بھوکا مارنا، اور طبی دواؤں سے لاکھوں لوگوں کو محروم رکھنا، یہ عمل بذاتِ خود جمہوریت کی نفی ہے۔

میدانِ مسابقت میں کمیونزم سے نجات پانے کے بعد سرمایہ دارانہ نظام اور اس کی آزاد تجارت کا لب ولہجہ بدل گیا ہے۔ سرمایہ دارانہ تجارت کا لالچ اپنی ساری حدیں توڑ چکا ہے، جن ملکوں نے اپنی آزادی کے لیے جنگ لڑی تھی، آج انہی سے سرمایہ دارانہ تجارت مطالبہ کر رہی ہے کہ وہ اپنی آزادی سے دستبردار ہو جائیں اور سرمایہ داری کے لیے اپنی سرحدیں کھول دیں تاکہ یہ سرمایہ داران ملکوں کی معاشیات کے خلاف من مانی (مجرمانہ) کاروائیاں کر سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سرمایہ دار خود اخلاقی فساد (کرپشن) میں غرق ہیں۔

ہمیں علم ہے کہ سرمایہ دار اپنی مہم جوئی میں ناکام رہیں گے۔ ہم نے ان کی ناکامی کا مشاہدہ کیا ہے۔ اُنہوں نے ایک سال میں ایک سو بلین ڈالر کا نقصان اُٹھایا۔ یہی لوگ ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنہوں نے آدھی دنیا کی معاشیات کو تباہ کیا۔ لاکھوں آدمیوں کو بے کار کر دیا۔ بیسیوں بنکوں کو دیوالیہ بنا دیا۔ یہی لوگ ہیں، جنہیں انسانی حقوق کی حرمتوں کا پاس نہیں ہے۔

نئی دنیا کی تعمیر کے لیے ہمارے پاس فکر ہے اور بصیرت (Vision):

حقیقت یہ ہے کہ غریب ملک، امیر ملکوں کے ہاتھوں 'دہشت گردی' کا شکار ہیں۔ جس کی وجہ سے اُن کے درمیان تلخی اور غصہ پایا جاتا ہے، اُن کا عدل و انصاف اور شرف و وقار سے جس کا ورد کرتے کرتے سرمایہ دار تھکتے نہیں، یقین اُٹھ گیا ہے۔ مزید ستم یہ ہے کہ جب ریاستی سطح پر اسرائیلی دہشت گردی کی حمایت کی گئی تو بات آگے بڑھ گئی۔ سوال یہ ہے کہ اگر اسرائیل کی دہشت گردی، فلسطینی دہشت گردی کا جواب ہے، تو پھر اس بات کا کیا جواب ہے کہ فلسطینی دہشت گردی کی وجہ دراصل خود اسرائیل ہے جس نے اُنہیں اُن کی سرزمین سے نکال باہر کر کے اُن کے وطن پر قبضہ کر لیا ہے۔ لیکن ان سارے حقائق کے باوجود ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ہم خود بھی اپنی مشکلات کے ذمہ دار ہیں؟

ہم نے اپنی آزادی کو اپنے ملکوں اور عوام کی خدمت کے لیے وقف نہیں کیا۔ اپنی حکومتوں کو گرانا اب ہمارا وظیفۂ حیات بن چکا ہے۔ آمرانہ طور طریقوں کو اختیار کر کے نہ صرف ہم خود بے نقاب ہوئے، بلکہ ایک ہی ملک کے عوام تقسیم بھی ہو گئے۔ آج ایک طرف غریب ہیں، جن کے پاس زندگی بسر کرنے کے لیے کچھ نہیں، دوسری طرف سرمایہ دار ہیں، جنہوں نے عیش و عشرت کے سارے وسائل پر قبضہ کر لیا ہے۔ ستم یہ کہ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان کشمکش شروع ہوئی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے باوجود پوری دنیا خوف ناک بحران سے گزر رہی ہے۔

افسوس! دنیا کی ۶ بلین آبادی کے لیے اس کی ضرورت سے زائد غذا موجود ہے، لیکن پھر بھی ایک بلین کی آبادی بھوک کا شکار ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ نیویارک میں ۱۱ر ستمبر کے حادثہ کے بعد سے مالدار اور طاقت ور آبادی دنیا کی غریب آبادی سے ناراض ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی حفاظت کے لیے انتہا پسند وسائل اختیار کر لیے ہیں۔ جن سے غربت میں پسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے لوگوں میں غم وغصہ بڑھ گیا ہے۔ جنگ مسائل کا حل نہیں۔ جنگ بذاتِ خود ایک پرانا ہتھیار ہے۔ بلکہ حجری زمانہ (Stone Age) کے مقابلہ میں جنگ آج ایک وحشیانہ عمل بن کر رہ گئی ہے۔ آج لوگوں کو قتل کرنے کے لیے وحشیانہ ہتھیار وجود میں آ گئے ہیں۔ آج ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے لیے وجہِ جواز تلاش کی جارہی ہے۔

اس صورتِ حال میں ہمیں یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ ہماری یہ غیر جانبدارانہ تحریک ایک منظم اور مؤثر تحریک نہیں ہے، جیسا کہ اسے ہونا چاہیے۔ ہم شاید اس ہنگامۂ کشت وخوں سے الگ تھلگ رہنا چاہیں یا بڑی طاقتوں کے غیظ وغضب سے بچنے کی کوشش کریں۔ لیکن ہمارے لوگ مطمئن نہیں۔ وہ ہم سے اپنے لیے کچھ نہ کچھ (تحفظ) چاہتے ہیں۔

موجودہ جنگ اب دہشت گردی ہی کے خلاف نہیں ہے۔ آج اس جنگ کا مقصد دنیا پر تسلط قائم کرنا ہے۔ آج ہم پر یہ الزام لگایا جارہا ہے کہ ہم 'برائی کا محور' بن گئے ہیں، اور ریاستی دہشت گردی کو ہوا دے رہے ہیں۔ غیر جانبدار تحریک (NAM) کو بہت سی مشکلات اور مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں سے ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر لوگ کسی ملک سے یا کسی بڑی طاقت کے مذموم عزائم سے اختلاف کریں، تو پھر ہمیں اس ملک کی جارحیت کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔

آج ہمارے لیے خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ دوسروں پر فوج کشی کرنے والی طاقتوں کے اپنے عوام کی ایک بڑی تعداد بھی جنگ سے اکتا گئی ہے۔ یہ لوگ آج لاکھوں کی تعداد میں خود اپنے سیاسی رہنماؤں کی جنگی پالیسیوں کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پوری اخلاقی طاقت سے ان لوگوں کا ساتھ دیں۔ جنگ کے خلاف ان کی جدوجہد کی بھرپور تائید کریں اور اسے اپنی جدوجہد قرار دیں۔ ہماری جدوجہد انصاف اور آزادی کے لیے ہے، کیونکہ ایک نئی دنیا کی تعمیر کے لیے ہمارے پاس ایک فکر ہے، اور بصیرت[1]۔"

اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر مہاضیر محمد نے خود اپنی سوسائٹی میں پائے جانے والے قلق

[1] ڈاکٹر مخضیر محمد کی پوری تقریر کا متن روزنامہ 'ڈان' لاہور، ۲۸ رفروری اور یکم مارچ ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و اضطراب اور اس کے اسباب کا جائزہ لیا اور پھر انھیں دور کر کے معاشرے کے تمام لسانی اور مذہبی گروہوں میں یک جہتی کو فروغ دیا[1]۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس کانفرنس میں شریک عرب وفود افریشیائی سربراہوں سے مل کر اپنے لیے ایک مربوط اور ٹھوس معاشی منصوبہ بندی کرتے اور پرامن طور پر ان تمام تجارتی کمپنیوں کا بائیکاٹ کرتے جو اسرائیل کے ساتھ تجارتی روابط رکھتی ہیں۔ اگر ۱۹۱۹ء میں تحریکِ خلافت اور کانگریس مل کر پرامن طور پر ہندوستان میں غیرملکی مصنوعات کا کامیاب بائیکاٹ کر سکتے ہیں[2]، تو آج مسلم اور عرب دنیا 'کوکا کولا کلچر' سے کیوں تعلق توڑ نہیں سکتی؟ ہمیں اس امر میں کوئی شک نہیں کہ آج اینگلوامریکن سیاست دان بار بار جس فلسطینی اور یہودی ریاستوں کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، وہ عرب عوام کو فریب دینے کے سوا کچھ اور نہیں۔ بے شبہ وہ فلسطینی ریاست کے قیام کا نام لیتے ہیں۔ لیکن ایسی ریاست جو ریاست کے صحیح مفہوم سے عاری ہو۔ امریکہ اور اسرائیل دونوں ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ سے پہلے کی فلسطینی-اسرائیلی سرحدوں کو ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔ اسرائیل اس بات کو جانتا ہے کہ خود امریکہ میں یہودی ووٹ ایک مؤثر کردار رکھتا ہے۔

اس لیے بش انتظامیہ اسرائیل کی جارحانہ پالیسی کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتی۔ جہاں تک عرب قیادت کا تعلق ہے، افسوس! اس کی آنکھ اسرائیل کے 'خم و پیچ' کو پہچاننے سے عاری ہے۔ جس قیادت نے پہلی جنگِ عظیم میں 'عثمانی خلافت' کا تختہ اُلٹنے کے لیے برطانوی سیاست کا ساتھ دیا تھا۔ وہی قیادت آج تک اینگلوامریکن سیاست سے تعاون کرتی رہی ہے۔ اب یہ قیادت اینگلوامریکن سازشوں اور اسرائیل کی جارحانہ سیاست کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے؟

۱۔ ڈاکٹر مہاتیر محمد نے نیویارک میں اپنی تقریر (اسلام اور دہشت گردی) میں کہا کہ ہم نے اپنے دہشت گردوں کو صرف فوجی عمل ہی سے شکست نہیں دی، بلکہ ان لوگوں کے دماغوں اور دلوں کو جیت کر شکست دی ہے۔ چوں کہ چینی (ملیشیا میں لسانی گروہ) لسانی گروہ دہشت پسند تھے، ہم نے ان کا اور ان کی دہشت گردی کے اسباب کا سراغ لگایا، پھر مداوا کیا، جس کے نتیجہ میں چینی گروہ نے حکومت سے تعاون کیا۔

۲۔ جب اس تحریک سے مانچسٹر (برطانیہ) کے مزدور متاثر ہوئے، تو اس تحریک کے اخلاقی جواز پر امریکہ کے ایک مذہبی متکلم نیبُر (R. Neibuhr) نے اپنی معروف کتاب "Moral Man and Immoral Society" (اخلاقی انسان اور غیراخلاقی سوسائٹی) میں بحث کی، جس میں ٹالسٹائی اور گاندھی جی کے افکار زیرِ بحث آئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح بات یہ ہے کہ مسلم اور عرب دنیا اپنے موجودہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کو توڑے اور روحِ عصر کو اپنائے بغیر مسائل کو حل نہیں کرسکتی۔ چنانچہ اپنی مشکلات پر قابو پانے اور اینگلو-امریکن اور اسرائیل کی جارحانہ روش کی کاٹ کے لیے عرب اور مسلم قیادت کو انتہائی صبر و تحمل سے ایک لمبی راہ پر چلنا ہوگا۔ یہ راہ ہے، فکری آزادی، فلسفہ، سائنس، اور اخلاقی تربیت کی۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی مشکلات پر قابو پائیں، ''ورنہ زمانہ بہت جلد ہم سے اپنی جان چھڑالے گا۔''[1]

رشید احمد (جالندھری)

ابھی اداریہ کی سیاہی خشک نہیں ہوئی تھی کہ خبر آ گئی کہ اینگلو-امریکن فوجوں نے عراق پر حملہ کر دیا اور صدر بش نے ایک پرغرور لب ولہجہ میں کہا: ''عراقی قوم کو 'آزادی' دِلانے کے لیے یہ حملہ کیا گیا ہے۔'' مزید یہ کہ ''عراق کے پاس تباہ کن ہتھیار ہیں، جن سے امریکی قوم اور اس کی ثقافتی قدروں کو خطرہ ہے۔'' صحیح بات ہے کہ اگر جھوٹ ہی بولنا ہے تو پھر 'ننگ و نام' کی پرواہ کیے بغیر ہمالہ کی بلندی کا بھی انکار کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل نے عراق کے بارے میں اینگلو-امریکن سیاست کی حمایت نہیں کی ہے۔ مزید یہ کہ سلامتی کونسل کی نامزد معائینہ کمیٹی برائے عراق نے کہا تھا کہ عراق تباہ کن ہتھیاروں کے سلسلہ میں تعاون کر رہا ہے اور ابھی تک اس کے پاس مہلک ہتھیاروں کا پتہ نہیں چلا۔ چنانچہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ حملہ یقیناً ایک جارحانہ حملہ ہے، جو غیر قانونی اور غیر اخلاقی ہے اور جمہوری اصولوں کی کھلی مخالفت! اس لیے مسلم دنیا اور عالمی رائے نے بروقت اس حملے کی سخت مذمت کی ہے۔ مزید یہ کہ برطانیہ اور امریکہ کے باشندوں نے بھی اپنی حکومتوں کے اس وحشیانہ اقدام پر لعنت

---

[1] اقبال نے ۱۹۰۴ء میں کہا تھا:

I can say is that if we cannot get over our problems, the world ...oon get ride of us."

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھیجی ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ نیویارک پر ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے حملہ سے امریکہ کوئی سبق لے گا۔ ہم نے اس وقت لکھا تھا:

''اس عالمی دہشت گردی کے بعد امریکہ کو احساس ہوا ہے کہ 'شبِ غم بری بلا ہے' نیز یہ کہ انسان کو دہشت گردی کے ہاتھوں کس کرب اور دُکھ سے گزرنا پڑتا ہے۔ اُمید ہے کہ امریکہ آج 'لذتِ آشنائے درد' ہو کر اب کبھی کسی 'مجنوں' پر سنگ نہیں اُٹھائے گا، اگر اُٹھایا تو اپنا 'سر' یاد آ جائے گا۔

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں، اسد
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا''[1]

افسوس! یہ ہماری خوش فہمی تھی کہ سامراج کو کسی پر سنگ اُٹھاتے وقت اپنا سر یاد آئے گا یا مظلوم عورتوں، بچوں کی صدائے دردناک پر اس کی آنکھ سے آنسو ٹپک سکتا ہے۔

یہ دیکھ کر جی خوش ہوا کہ عراقی حکومت اور اہلِ عراق اینگلو-امریکن فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہمیں ذاتی طور پر صدر صدام حسین کی سیاست سے کبھی اتفاق نہیں رہا۔ لیکن آج اُنہوں نے جس جرأت اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اینگلو-امریکن مطالبے کو پائے حقارت سے ٹھکرایا ہے، اس سے ہمارا سر فخر سے اونچا ہو گیا ہے۔

امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ دو آدمیوں میں سے آپ کس کا ساتھ دیں گے؟ ایک کمزور ہے، لیکن نیک۔ دوسرا فاسق ہے، لیکن طاقتور۔ امام نے جواب دیا میں طاقتور کا ساتھ دوں گا کیوں کہ اس کا فسق اس کی اپنی ذات کے لیے ہے اور طاقت سوسائٹی کے لیے۔ اس لیے عرب اور مسلم ملکوں کا فرض ہے کہ اس نازک وقت میں عراقی حکومت اور عراقی عوام کا ساتھ دیں جو اپنی تاریخ کے ایک نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ ہمیں نہایت ہی سنجیدگی سے مشرقِ وسطیٰ کی تاریخ کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ جس سے پتہ چلے گا کہ پہلی جنگِ عظیم سے لے

[1] المعارف، جولائی-ستمبر ۲۰۰۱ء (اداریہ)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر آج تک اینگلو-امریکن سیاست نے عربوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے کیا کیا خوف ناک سازشیں کی ہیں؟ اب سوال یہ ہے کہ کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ عرب اور مسلم دنیا ایک مربوط پروگرام کے تحت اپنے عوام کی اقتصادی، تعلیمی اور ثقافتی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے اور اپنی داخلی بدنظمی، کرپشن اور مہنگائی پر قابو پائے۔ یہی ایک راہ ہے جس پر چل کر ہم بش انتظامیہ اور اس کے ساتھی اسرائیل کے جارحانہ عزائم کو ناکام بنا سکتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بش انتظامیہ عراق پر اپنی فوجی برتری کے باوجود اخلاقی اور قانونی طور پر شکست کھا چکی ہے۔ لیکن اس شکست سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا مسلم اور عرب دنیا عراق پر بش انتظامیہ کے قبضے کو تسلیم کر لے گی؟ اگر ہم اسے تسلیم نہیں کرتے، تو پھر بغداد میں عرب اور مسلم سفارت خانوں کو بند رہنا چاہیے۔ صحیح بات یہ ہے کہ مسلم دنیا کو یہ مسئلہ نہ صرف افریشیائی کانفرنس میں بلکہ یورپین یونین میں بھی اُٹھانا چاہیے، جس نے اس نازک وقت میں بغداد پر اینگلو-امریکن فوجی حملے سے اپنی بیزاری کا کھل کر اعلان کیا۔

رشید احمد (جالندھری)

© rasailojaraid.com